السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

غیر آباد زمین کو آباد کرنے کے احکام

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علی رسول اللہ، أما بعد!

غیر آباد اراضی کی آبادی یہ ہے کہ مسلمان ایسی زمینوں کو جو کسی کی ملکیت میں نہ ہوں اور کسی اجتماعی مقصد کے لیے بھی مخصوص نہیں، درخت لگا کر یا مکان تعمیر کر کے یا کنواں لگوا کر آباد کرے۔ اس طرح وہ اس کا مستحق اور مالک بن جائے گا۔

اس تعریف کی رو سے دو باتیں واضح ہوئیں:

1۔ اگر کوئی زمین مسلمان یا کافر کی قانونی ملکیت ہے (وہ خریدنے سے ہو یا عطیہ وغیرہ سے) تو اسے آباد کرنے سے کوئی مالک نہ ہوگا۔

2۔ اگر اس زمین سے اجتماعی مصلحت ومفاد وابستہ ہو، مثلاً: عام راستہ ہو، لوگوں کے بیٹھنے کا ڈیرا ہو، پانی کے چشمے کی جگہ ہو یا بارش وغیرہ کے پانی بہنے کی جگہ ہو یا اس کی آبادی سے اہل شہر کی اجتماعی مصلحت پر زد پڑتی ہو، جیسے قبرستان یا کوڑا کرکٹ پھینکنے کے لیے جگہ یا عید گاہ یا لوگوں کے لیے لکڑیاں جمع کرنے کی جگہ یا لوگوں کی چراگاہ ہو تو ان تمام جگہوں پر درخت لگا کر یا تعمیر کر کے کوئی شخص مالک نہیں ہو سکتا، البتہ اگر زمین کا کوئی ویران ٹکڑا کسی کی ملکیت میں نہیں اور اسے کسی شخص نے آباد کر لیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ"

"جس نے کسی ویران زمین کو آباد کر لیا وہ اسی کی ہے۔"[1]

امام ترمذی رحمة اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن میں بعض صحیح بخاری بھی ہیں۔

فقہائے اسلام ویران زمینوں کو آباد کرنے والے کو مالک قرار دیتے ہیں اگرچہ اس کی شرائط میں اختلاف ہے، البتہ حرم یا عرفات کے بارے میں فقہائے کرام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ان اراضی پر درخت لگانے یا تعمیر کرنے والا مالک نہ ہوگا کیونکہ اس میں مناسک حج ادا کرنے میں لوگوں کے لیے مشقت وتکلیف ہوگی اور ایسی جگہوں پر سب کا حق یکساں ہوتا ہے۔

(1)۔ غیر آباد جگہ کی آبادی درج ذیل صورتوں سے واضح ہوگی:

1۔ جب کسی نے ویران زمین کو درخت لگا کر یا باڑ لگا کر گھیر لیا ہو تو گویا اس نے اسے آباد کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"من أحاط حائطا علی أرض فهی له"

"جس نے کسی ویران زمین پر دیوار کر لی یا باڑ لگا دی وہ اس کا مالک قرار پائے گا۔"[2]

ویران زمین کو آباد کرنے سے ملکیت تب ثابت ہوگی جب اس نے واقعتاً اس کو آباد کیا ہو، درخت لگائے ہوں یا مکانات تعمیر کیے ہوں یا پانی کے لیے کنویں کھودے ہوں۔

واضح رہے زمین کی آبادی اور ملکیت صرف ظاہری علامات لگانے اور مٹی یا اینٹوں کی چھوٹی سی چار دیواری کرنے سے جو ادھر اُدھر سے رکاوٹ نہ بنے، یا ارد گرد کھدائی کر دینے سے ثابت نہ ہوگی، البتہ اس سے اس کا حق دوسروں سے فائق ضرور ہوگا۔ اور وہ اس زمین کو فروخت بھی نہیں کر سکتا جب تک اسے صحیح اور حقیقی طور پر آباد نہ کر لے۔

2۔ جس نے ویران زمین میں کنواں کھودا کہ اس سے پانی تک رسائی ہوگئی تو گویا اس نے آباد کر دیا ورنہ وہ مالک نہ ہوگا، البتہ اس سے اس کا حق دوسرے پر مقدم ہوگا کیونکہ اس نے اس کی آبادی کاری میں پہل کی ہے۔

3۔ اگر کسی نے ویران زمین تک چشمے یا نہر کے پانی کا اجرا کر دیا تو بھی اس نے اسے آباد کر لیا کیونکہ دیوار کرنے کی نسبت پانی پہنچانے سے زمین کو زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

4۔ اگر کوئی جگہ پانی جمع ہونے کی وجہ سے ناقابل کاشت اور غیر آباد تھی تو کسی نے وہ پانی نکال کر اسے قابل کاشت بنا لیا تو گویا اس نے اسے آباد کر لیا، لہٰذا وہ اس کا مالک ہوگا کیونکہ پانی مہیا کرنا یا ٹھہرے ہوئے پانی کو نکالنا محض

دیوار کرلینے سے ،جس کا ذکر حدیث میں ہے ، زیادہ فائدے والا عمل ہے کیونکہ وہ یہاں اقامت کرکے اس کا مالک بنا ہے ۔

بعض علمائے کرام کی یہ رائے ہے کہ غیر آباد کی آبادی کے لیے کوئی متعین علامات و شرائط نہیں بلکہ اس کا دارومدار وہاں کے لوگوں کے عرف پر ہے ، یعنی جن صورتوں میں لوگ زمین کو آباد سمجھتے ہوں وہ صورت وعلامت ہوگی تو زمین کو آباد کہا جائے اور وہ اس کا مالک ہوگا وگرنہ نہیں ۔ اکثر علمائے حنابلہ وغیرہ کا یہی مسلک ہے ۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ شریعت نے ملکیت کے لیے کوئی شرائط متعین نہیں کیں ، لہذا زمین کی آبادی کے حکم کا دارومدار عرف عام پر ہوگا ۔

(2) ۔ حاکم کو حق حاصل ہے کہ ویران وغیر آباد اراضی ان لوگوں میں تقسیم کردے جو انھیں آباد کرسکتے ہوں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (القَبَلِیَّة) کے معاون الاٹ کیے تھے ۔[3]

اور سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "حضر موت" کی اراضی الاٹ کی تھی ۔[4]

اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین کو بھی کچھ اراضی الاٹ کی تھی ۔

جس شخص کے حق میں الاٹ منٹ ہوئی اگر وہ اسے آباد کرلے گا تو وہ اس کا مالک ہوگا وگرنہ حاکم کو چاہیے کہ اس سے زمین واپس لے کر ایسے شخص کو دے دے جو اس کو آباد کرنے پر قدرت رکھتا ہو کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں سے زمینیں واپس لے لی تھیں جو انھیں آباد نہ کرسکے ۔

(2) ۔ غیر آباد زمین کے سوا کسی اور مباح چیز ، مثلاً : شکار کیا جانے والا جانور یا ایندھن کی لکڑی وغیرہ کے بارے میں یہ حکم ہے کہ جو شخص اسے پہلے حاصل کرے وہی اس کا حقدار ہے ۔

(3) ۔ اگر لوگوں کی املاک کے پاس سے نہر یا وادی کا پانی گزرتا ہو تو پہلے اوپر والا فائدہ حاصل کرے اور ٹخنوں تک کھیت میں پانی کھڑا کرے ، پھر اپنے قریب والے کو دے ۔ کھیتوں کے اختتام تک اسی پر عمل کیا جائے الا یہ کہ پانی پہلے ہی ختم ہوجائے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اسْقِ یَا زُبَیْرُ، ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتَّی یَرْجِعَ إِلَی الْجَدْرِ، ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَی جَارِکَ"

"زبیر ! (اپنے کھیت کو) پانی پلاؤ حتیٰ کہ منڈیروں تک پہنچ جائے ، پھر اپنے ہمسائے کی طرف چھوڑ دینا ۔"[5]

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان : "پانی کو روک رکھ حتیٰ کہ منڈیروں تک پہنچ جائے ۔"

پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ کھیت میں پانی کی بلندی ٹخنوں تک بنتی تھی ، یعنی لوگوں نے بھی اس قصے کا اندازہ کیا تو انھوں نے اپنے ٹخنوں تک پایا ۔ اب اسی کو استحقاق کا معیار بنالیا کہ پانی کا حق پہلے اسی کا ہے جس کا کھیت پہلے ہے ، پھر اس کے بعد جس کا کھیت ہے ۔"

اس روایت سے واضح ہے کہ کھیت کو پانی دینے میں اول شخص کا استحقاق ٹخنوں تک پانی جمع کرنے کا ہے ۔ اسی طرح پھر بعد والوں کا استحقاق ہے ۔

سیدنا عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "مہزوز" (مدینہ منورہ کی مشہور وادی) کے سیلابی پانی کے بارے میں فیصلہ دیا کہ پہلے (قریب اور اوپر والا شخص) پانی روک کر فائدہ حاصل کرے یہاں تک کہ پانی ٹخنوں تک جمع ہوجائے ، پھر اوپر کی زمین والا نیچے والی زمین کے لیے پانی چھوڑ دے ۔"[6]

(3) ۔ اگر پانی پر ایک سے زیادہ افراد کی ملکیت ہے تو ملکیت کے حساب سے باہم تقسیم کرلیں اور ہر ایک اپنے حصے کا پانی باہمی رضامندی سے حاصل کرے اور جس طرح چاہے استعمال کرے ۔

(4) ۔ حاکم کو حق حاصل ہے کہ وہ بیت المال کے مویشیوں کی چراگاہوں کی حفاظت کرے ، مثلاً : جہاد میں کام آنے والے گھوڑے اور جانور یا صدقے کے اونٹ وغیرہ ، البتہ وہ مسلمانوں کو تنگ وپریشان کرکے تکلیف نہ دے ۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے :

"أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حمی النقیع لخیل المسلمین"

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "نقیع" (چراگاہ) مسلمانوں کے گھوڑوں کے لیے مختص کردی تھی ۔"[7]

اسی طرح حاکم کو چاہیے کہ ویران جگہوں پر اگنے والی گھاس پھوس کو صدقے کے اونٹوں ، مجاہدین کے گھوڑوں ، جزیہ اور عام گم شدہ گھوڑوں اور اونٹوں وغیرہ کے لیے محفوظ کرادے بشرطیکہ اس کی ضرورت ہو اور عام مسلمانوں کی کوئی تنگی اور تکلیف نہ دے ۔

"جُعَالَہ" کے احکام

لغت میں "جُعَالَہ" اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کو کوئی کام کرنے کے بدلے میں دی جائے جبکہ شرعاً "جُعَالَہ" اس متعین مال کو کہتے ہیں جو ایک خاص کام انجام دینے والے غیر معین فرد کے لیے مقرر کیا جائے ، مثلاً : ایک شخص

کہتا ہے : "جو مجھے یہ دیوار بنا کر دے گا میں اس کو اتنی رقم دوں گا ۔ "اب جو شخص بھی یہ دیوار بنائے گا وہ اس مال کا مستحق ہو جائے گا ۔

(5) ۔ "جُعَالَہ" کے جواز کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے :

"وَلِمَن جَآءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ"

"اور جو اسے لے آئے اس کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ غلہ ہے اور اس وعدے کا میں ضامن ہوں ۔ "[8]

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "جُعَالَہ" کے جواز کی دلیل سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ روایت ہے جس میں وہ فرماتے :

"عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أَنَّ رَهْطًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم انْطَلَقُوا فِي سَفْرَةٍ سَافَرُوهَا حَتَّى نَزَلُوا فِي حَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ فَاسْتَضَافُوهُمْ فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمْ فَلُدِغَ سَيِّدُ ذَلِكَ الْحَيِّ فَسَعَوْا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لَا يَنْفَعُهُ شَيْءٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ : لَوْ أَتَيْتُمْ هَؤُلَاءِ الرَّهْطَ الَّذِينَ قَدْ نَزَلُوا بِكُمْ لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ عِنْدَ بَعْضِهِمْ شَيْءٌ فَأَتَوْهُمْ فَقَالُوا : يَا أَيُّهَا الرَّهْطُ إِنَّ سَيِّدَنَا لُدِغَ فَسَعَيْنَا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لَا يَنْفَعُهُ شَيْءٌ فَهَلْ عِنْدَ أَحَدٍ مِنْكُمْ شَيْءٌ ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ : نَعَمْ وَاللهِ إِنِّي لَرَاقٍ وَلَكِنْ وَاللهِ لَقَدْ اسْتَضَفْنَاكُمْ فَلَمْ تُضَيِّفُونَا فَمَا أَنَا بِرَاقٍ لَكُمْ حَتَّى تَجْعَلُوا لَنَا جُعْلًا فَصَالَحُوهُمْ عَلَى قَطِيعٍ مِنَ الْغَنَمِ فَانْطَلَقَ فَجَعَلَ يَتْفُلُ وَيَقْرَأُ الْحَمْدُ لِلهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ حَتَّى لَكَأَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ فَانْطَلَقَ يَمْشِي مَا بِهِ قَلَبَةٌ قَالَ : فَأَوْفَوْهُمْ جُعْلَهُمُ الَّذِي صَالَحُوهُمْ عَلَيْهِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ : اقْسِمُوا فَقَالَ الَّذِي رَقَى : لَا تَفْعَلُوا حَتَّى نَأْتِيَ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَنَذْكُرَ لَهُ الَّذِي كَانَ فَنَنْظُرَ مَا يَأْمُرُنَا فَقَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرُوا لَهُ فَقَالَ : وَمَا يُدْرِيكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ ؟ أَصَبْتُمْ اقْسِمُوا وَاضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ بِسَهْمٍ »"

"ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین ایک سفر کے لئے روانہ ہوئے جسے انہیں طے کرنا تھا راستے میں انہوں نے عرب کے ایک قبیلہ میں پڑاؤ کیا اور چاہا کہ قبیلہ والے ان کی مہمانی کریں لیکن انہوں نے انکار کیا ۔ پھر اس قبیلہ کے سردار کو بچھونے کاٹ لیا اسے اچھا کرنے کی ہر طرح کوشش انہوں نے کر ڈالی لیکن کسی سے کچھ فائدہ نہیں ہوا ۔ آخر انہی میں سے کسی نے کہا کہ یہ لوگ جنہوں نے تمہارے قبیلہ میں پڑاؤ کر رکھا ہے ان کے پاس چلو ممکن ہے ان میں سے کسی کے پاس کوئی دم جھاڑ ہو ۔ چنانچہ وہ صحابہ کے پاس آئے اور کہا لوگو ہمارے سردار کو بچھونے کاٹ لیا ہے ہم نے ہر طرح کی بہت کوشش اس کے لئے کر ڈالی لیکن کسی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا کیا تم لوگوں میں سے کسی کے پاس کوئی دم جھاڑ ہے ؟ صحابہ میں سے ایک صاحب (ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ ہاں واللہ میں جھاڑنا جانتا ہوں ۔ لیکن ہم نے تم سے کہا تھا کہ تم ہماری مہمانی کرو (ہم مسافر ہیں) تو تم نے انکار کر دیا تھا اس لئے میں بھی اس وقت تک نہیں جھاڑوں گا جب تک تم میرے لئے اس کی مزدوری نہ مقرر کر دو ۔ چنانچہ ان لوگوں نے کچھ بکریوں (30) پر معاملہ طے کر لیا ۔ اب یہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روانہ ہوئے یہ زمین پر تھوکتے جاتے اور « الحمد للہ رب العالمین »

(سورۃ فاتحہ) پڑھتے جاتے ۔ اس کی برکت سے وہ ایسا ہو گیا جیسے اس کی رسی کھل گئی ہو اور وہ اس طرح چلنے لگا جیسے اسے کوئی تکلیف ہی نہیں ۔ بیان کیا کہ پھر وعدہ کے مطابق قبیلہ والوں نے ان صحابی کو مزدوری (30 بکریاں) ادا کر دیں بعض لوگوں نے کہا کہ ان کو تقسیم کر لو ۔ لیکن جنہوں نے جھاڑا تھا انہوں نے کہا کہ ابھی نہیں پہلے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں پوری صورت حال آپ کے سامنے بیان کر دیں پھر دیکھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں ۔ چنانچہ سب لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا : کہ تمہیں کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس سے دم کیا جا سکتا ہے ؟ تم نے بہت اچھا کیا جاؤ ان کو تقسیم کر لو اور میرا بھی اپنے ساتھ ایک حصہ رکھو ۔ "[9]

(6) ۔ اگر کسی شخص نے علم ہو جانے کے بعد وہ کام کیا جس پر یہ خاص اجرت مقرر تھی تو کام کرنے والا کام مکمل کرنے کی صورت میں اجرت کا مستحق ہوگا اور اگر ایک جماعت مقرر کردہ کام کرنے لگ جائے تو اجرت کی رقم ان میں برابر برابر تقسیم ہوگی ۔ اگر کوئی شخص از خود کام کرنے لگ جاتا ہے اور اسے یہ معلوم نہیں کہ اس پر اجرت مقرر ہو چکی ہے تو وہ اجرت کا مستحق نہیں ہے کیونکہ اس نے ایسا کام کیا جس کے کرنے کی اسے اجازت نہ تھی، البتہ اگر کام کرنے کے دوران اسے علم ہوا تو علم ہو جانے کے بعد کے عمل کا مستحق ہوگا ۔

(7) ۔ "جُعَالَہ" اور اجارہ (کسی کو اجرت پر رکھنا) درج ذیل امور میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں :

1 ۔ "جُعَالَہ" کی درستی کے لیے ضروری نہیں کہ جس کام پر "جُعَالَہ" مقرر کیا گیا ہو اسے عامل کے علم میں لایا جائے بخلاف اجارے کے ۔ اس میں شرط ہے کہ جس کام کی اجرت طے ہوئی ہو وہ عامل کے علم میں بھی ہو ۔

2 ۔ "جُعَالَہ" میں کام کی مدت متعین نہیں ہوتی جبکہ اجارے میں مدت عمل متعین ہوتی ہے ۔

3 ۔ "جُعَالَہ" میں مدت اور کام دونوں کو جمع کرنا جائز ہے، مثلاً کوئی کہے : "جس نے اس کپڑے کی سلائی ایک دن میں کر دی تو اسے اتنے روپے ملیں گے تو اگر اس نے اس مقرر دن میں سلائی کر دی تو وہ انعام کا مستحق ہوگا ورنہ نہیں، بخلاف اجرت کے کہ اس میں عمل اور مدت دونوں کو جمع کرنا درست نہیں ۔

4 ۔ "جُعَالَہ" میں عامل کام پورا کرنے کی ذمے داری نہیں لیتا جبکہ اجارے میں عامل ایک کام کو سر انجام دینا خود اپنے آپ پر لازم کر لیتا ہے ۔

5 ۔ "جُعَالَہ" میں عامل کی تعین شرط نہیں جب کہ اجارے میں یہ شرط ہے ۔

6 ۔ "جُعَالَہ" ایسا عقد ہے جسے دونوں فریق ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر بھی فسخ کر سکتے ہیں بخلاف اجارے کے کیونکہ یہ عقد ہر فریق پر لازم ہوتا ہے، لہذا ایک فریق دوسرے کی رضامندی کے بغیر فسخ نہیں کر سکتا ۔

(8) ۔ فقہائے کرام نے ذکر کیا ہے کہ جو شخص کسی کا کام کسی مقررہ انعام کے بغیر اور مالک سے اجازت لیے بغیر کرتا ہے وہ کسی معاوضے یا انعام کا مستحق نہیں، اس لیے کہ اس نے کام کی ابتدا تبرعاً (خوشی سے) کی تھی، لہذا یہ انعام کا مستحق نہیں ہے کیونکہ جس چیز کو آدمی نے اپنے لیے لازم نہیں کیا وہ اس کو نہیں ملتی، البتہ اس سے دو صورتیں مستثنیٰ ہیں :

1 ۔ جب کسی کام کرنے والے یا مزدور نے خود کو اجرت پر کام کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار کر رکھا ہے ۔ جیسے دلال یا مزدور وغیرہ ۔ جب ہر ایک مالک کی اجازت سے کام کرے گا تو اجرت کا حقدار ہوگا ۔ اگر اس نے اپنے آپ کو مزدوری کے لیے تیار نہیں رکھا ہوا تو وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا، خواہ مالک کی اجازت سے کام کیا ہو، البتہ اگر ان کے درمیان کام کرنے سے پہلے معاوضہ طے پایا ہو تو اسے معاوضہ دیا جائے گا ۔

2 ۔ جو شخص خود کو خطرات میں ڈال کر کسی انسان کو یا اس کے سامان کو ہلاکت و تباہی سے، بچاتا ہے، مثلاً : کسی کو دریا میں ڈوبنے سے یا آگ میں جلنے سے یا کسی اور پر خطر صورت حال سے نکال کر، بچا لیتا ہے تو معروف اجرت کا مستحق ہے اگرچہ اس نے یہ کام مالک کی اجازت سے نہ کیا ہو کیونکہ اگر وہ یہ کام نہ کرتا تو وہ شے یا سامان مالک سے ضائع ہو جاتا اور مالک کو کچھ نہ ملتا ۔ اور اس لیے بھی کہ اجرت دینے میں اس طرح کے مشکل کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی

بھی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : "جس نے کسی کا مال ہلاکت سے بچا کر اس کے مالک کو پہنچا دیا تو وہ اس پر اجرت کا مستحق ہے اگرچہ بغیر شرط کے ہو۔ دو قولوں میں سے یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہ منصوص ہے۔" [10]

نیز امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : "جس نے کسی کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر کام کیا تاکہ اس کام کے ذریعے سے دوسرے تک پہنچا جائے یا مالک کے مال کی حفاظت یا اس کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے کوئی کام کرے تو درست بات یہی ہے کہ اسے کام کی مزدوری دی جائے گی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کئی مواقع پر اس کی تصریح کی ہے۔" [11]

"لُقطَہ" کے احکام

"لُقطَہ" سے مراد ایسی گری پڑی چیز جو مالک سے گم ہو جائے۔

یاد رکھیے! دین اسلام نے مال کی حفاظت اور اس کا خیال رکھنے کی تعلیم دی ہے اور مسلمانوں کے مال کا احترام اور اس کی محاقظت کا درس دیا ہے۔ اسی میں سے ایک "لُقطَہ" ہے۔

(1)۔ اگر گری پڑی چیز معمولی ہے اور متوسط طبقہ کے لوگ اس کی پروا نہیں کرتے، مثلاً : چابک، روٹی، پھل کا دانہ اور لاٹھی وغیرہ تو اسے اٹھا کر اعلان کیے بغیر فوری طور پر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے :

"رَخَّصَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَصَا وَالسَّوْطِ وَالْحَبْلِ وَأَشْبَاهِهِ يَلْتَقِطُهُ الرَّجُلُ يَنْتَفِعُ بِهِ"

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں گم شدہ لاٹھی، چابک اور رسی وغیرہ میں اجازت دی ہے کہ آدمی اٹھا کر اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔" [12]

2۔ وہ حیوان جو چھوٹے درندوں سے اس وجہ سے محفوظ ہو کہ وہ مضبوط اور قد آور ہے، مثلاً : اونٹ، گھوڑا، گائے، خچر وغیرہ یا وہ اڑنے والا ہو، مثلاً : کبوتر یا وہ بہت تیز دوڑتا ہو، مثلاً : ہرن یا وہ اپنا دفاع اپنی کچلیوں سے خود کر سکتا ہو، مثلاً : چیتا وغیرہ۔۔۔ یہ مذکورہ قسم کے جانور ایسے ہیں جنھیں پکڑنا ممنوع ہے، ان کو پکڑنے والا اعلان کرنے کے بعد بھی مالک قرار نہ پائے گا، چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گم شدہ اونٹ کو پکڑنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"مَالَكَ وَلَهَا، مَعَهَا سِقَاؤُهَا، وَحِذَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ، وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا"

"تم اسے کیوں پکڑتے ہو؟ حالانکہ اس کے ساتھ اس کا مشکیزہ (بڑا پیٹ) ہے اور اس کا جوتا ہے، وہ خود ہی پانی پی لے گا اور درختوں سے پتے کھالے گا حتی کہ اس کا مالک اسے پالے۔" [13]

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے : "جس نے گم شدہ جانور (اونٹ وغیرہ) پکڑا وہ شخص گمراہ ہے۔ [14] "یعنی غلطی کا ارتکاب کر رہا ہے، لہذا اسے ہر گز نہیں پکڑنا چاہیے۔

درج بالا جانوروں کے علاوہ بڑے سائز کا سامان بھی اسی حکم میں شامل ہے، بڑی دیگ، لوہا، بھاری مقدار کی لکڑی وغیرہ یا جو چیز خود ہی محفوظ رہے وہ نہ ضائع ہو سکتی ہو اور نہ اپنی جگہ سے منتقل ہو سکتی ہو اسے اٹھانا یا پکڑنا ناجائز ہے۔

3۔ گم شدہ عام مال ہو، مثلاً : نقدی، عام سامان یا چھوٹے جانور جو درندوں سے خود دفاع اور بچاؤ نہیں کر سکتے، جیسے بکری، بچھڑا، اونٹ کا بچہ وغیرہ۔ اس قسم کی اشیاء یا جانوروں کو جو شخص پائے اگر اسے اپنی امانت و دیانت پر اعتماد ہو تو اٹھا لے۔ ایسی اشیاء کی تین قسمیں ہیں :

پہلی قسم :۔

ایسا حیوان جس کا گوشت کھایا جاتا ہو، مثلاً : اونٹ کا بچہ، بکری اور مرغی وغیرہ۔ ان گم شدہ جانوروں کو جو پکڑے اس کے لیے تین درج ذیل صورتیں ہیں، ان میں سے وہ صورت اختیار کی جائے جس میں مالک کا فائدہ زیادہ ہو۔

1۔ اسے ذبح کر کے کھالے اور اس کی موجودہ قیمت مالک کو (جب بھی ملے) ادا کر دے۔

2۔ پہچان کی خاطر اس جانور کی امتیازی علامات محفوظ کر لے، پھر اسے بیچ کر اس کی قیمت سنبھال کر رکھ لے تاکہ اس کے مالک کو بوقت ملاقات دی جا سکے۔

3۔ اس جانور کی حفاظت کرے۔ حسب ضرورت اس پر خرچ کرے تاکہ اس کی نگرانی و حفاظت ہوتی رہے۔ خود کو اس کا مالک نہ سمجھے۔ اگر مالک آجائے تو اس کا جانور اس کے حوالے کر دے اور اس پر ہونے والے اخراجات وصول کر لے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب گم شدہ بکری کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا :

"خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ، أَوْلِأَخِيكَ، أَوْلِلذِّئْبِ"

"اسے پکڑ لو، وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی ہے یا بھیڑیے کی ہے۔" [15]

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں : "اس حدیث میں گم شدہ بکری کو اٹھالینے کا جواز ہے ۔ بکری کا مالک اگر نہ آئے تو وہ اٹھانے والے کی ملک ہوگی ۔ اس حال میں اسے اختیار ہے کہ اسے کھالے اور اس کی قیمت مالک کو ادا کردے یا اسے بیچ کر اس کی قیمت محفوظ کرلے یا پھر اس کی حفاظت کرے اور اپنے مال سے اس پر خرچ کرے ۔ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر بکری کا مالک آجائے اور اس گم شدہ بکری کو اٹھانے والے نے کھایا نہ ہو تو اس کا مالک اس کو لینے کا حقدار ہے ۔"

دوسری قسم :۔

وہ اشیاء جن کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو، مثلاً : تربوز یا کوئی اور پھل ۔ ایسی اشیاء کو اُٹھانے والا خود کھالے اور بعد میں مالک کو اس کی قیمت ادا کردے یا فروخت کردے اور اس کی قیمت مالک کے لیے سنبھال کر رکھ لے ۔

تیسری قسم :۔

عام اموال واشیاء جو درج بالا دو اقسام کی اشیاء کے سوا ہیں، مثلاً : نقدی یا برتن ۔ اس قسم کی اشیاء کو امانت سمجھ کر بعینہ اسی حالت میں محفوظ رکھے اور لوگوں کے جمع ہونے کی جگہوں میں اعلان کرے اور متعارف کروائے ۔

(2) ۔ گری پڑی چیز وہی شخص اٹھائے جسے اپنی امانت داری پر اعتماد ہو اور اسے متعارف کروانے کی ہمت رکھتا ہو ورنہ نہ اٹھائے ۔ کیونکہ سیدنا زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گم شدہ سونے یا چاندی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّهُ قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ-[1347]-، فَقَالَ : «اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا، ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا، وَإِلَّا فَشَأْنَكَ بِهَا»، قَالَ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ ؟ قَالَ : (لَكَ، أَوْ لِأَخِيكَ، أَوْ لِلذِّئْبِ)"

"اس (ملنے والی) چیز کو باندھنے والی رسی اور اس کی تھیلی کی پہچان رکھ، پھر ایک سال تک اعلان کرتا رہ ۔ اگر اسے پہچاننے والا (مالک) نہ آئے تو اس سے (خرچ کر کے) فائدہ اٹھالے ۔ لیکن پھر وہ شے تیرے پاس امانت رہے گی ۔ اگر اس کا مالک کسی وقت بھی آجائے تو اسے وہ شے (یا اس کی قیمت) دے دے ۔ "پھر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گم شدہ اونٹ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا : "تجھے اس سے کیا سروکار؟ اس کے پاس پانی کے لیے مشکیزہ ہے ۔ اس کے پاؤں مضبوط ہیں، تالاب سے پانی حاصل کرے گا اور درختوں کے پتے کھالے گا یہاں تک کہ اس کا مالک آکر اسے پکڑلے ۔ "پھر آپ سے گم شدہ بکری کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا : "تو اسے پکڑلے، وہ تو تیرے لیے ہے یا تیرا بھائی اس کا مالک بن جائے گا یا پھر اسے بھیڑیا کھا جائے گا ۔" [16]

حدیث میں مذکور لفظ : "عِفَاصَ" اور "وِکَاءَ" کے معنی ہیں : "نفقہ وغیرہ کا تھیلا اور اس کا منہ باندھنے والی رسی (ڈوری) " اور حدیث کے لفظ : "ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً" کا مفہوم ہے کہ گم شدہ چیز کو سال بھر متعارف کروائے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے جمع ہونے والے مقامات، یعنی ڈیروں، بازاروں، مساجد کے دروازوں اور اجتماع گاہوں میں اس کا اعلان کرے جو ایک سال تک ہو پہلے ہفتے میں ہر روز اعلان کیا جائے کیونکہ پہلے ہفتے میں مالک کے آنے کی توقع زیادہ ہوتی ہے ۔ ایک ہفتے کے بعد حسب عادت اس کا اعلان وقتاً فوقتاً کرتا رہے ۔

(3) ۔ حدیث مذکور کے کلمات سے واضح ہوتا ہے کہ گم شدہ شے کا اعلان و تعارف کروانا واجب ہے حتیٰ کہ شے کا مالک آجائے ۔ اگر وہ ٹھیک ٹھیک علامات بتادے تو شے اس کے حوالے کردی جائے وگرنہ اسکے حوالے کرنا جائز نہیں ۔

(4) ۔ حدیث مذکور سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک سال تک اعلان کرنے کے بعد جسے شے ملی ہے وہ اس کا مالک ہوگا لیکن اس کو استعمال میں لانے سے قبل اس کی تھیلی، تسمہ، مقدار، جنس اور مزید امتیازی علامات ونشانات کو دل ودماغ میں یا تحریری طور پر محفوظ کرلے ۔ اگر سال کے بعد اصل مالک آگیا اور اس نے شے کی ٹھیک ٹھیک علامات بتادیں تو اس کے حوالے کردے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے ۔

(5) ۔ اگر کسی کو کوئی گری پڑے شے ملی تو وہ اسے اٹھانے کی کوشش نہ کرے الا یہ کہ اسے اپنے آپ پر امانت ودیانت کا بھروسہ ہو اور اعلان کرنے کی ہمت وطاقت رکھتا ہو یہاں تک کہ اس کا مالک مل جائے ۔ اگر اسے اپنی امانت خطرے میں محسوس ہو تو اس شے کو اٹھانا جائز نہیں، اگر اس نے وہ شے اٹھالی تو وہ غاصب شمار ہوگا کیونکہ اس نے کسی کا مال ایسے طریقے سے پکڑا ہے جو اس کے لیے جائز نہیں تھا اور اس میں دوسرے کے مال کو ضائع کرنا بھی لازم آئے گا ۔

2 ۔ گری پڑی شے کو لینے سے قبل اس کے برتن، تھیلی اور تسمے کی صفات اور اس شے کی مقدار، جنس اور اس کی قسم اچھی طرح نوٹ کرلے، ایسا کرنا لازمی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے اور مطلق حکم (امر) وجوب کے لیے ہوتا ہے ۔

3 ۔ گری پڑی شے اٹھانے کے بعد پورا ایک سال اس کا اعلان کرنا لازمی ہے ۔ پہلا ہفتہ روزانہ اعلان کرے، پھر دستور کے مطابق وقتاً فوقتاً اعلان کرے ۔ اعلان کرنے کے لیے لوگوں کے عمومی اجتماع، بازار اور مساجد کے دروازوں پر کھڑا ہو کر اعلان کرے کہ کسی کی کوئی شے گم ہوئی ہو تو؟ مساجد کے اندر (سپیکر وغیرہ پر) اعلان نہ کرے کیونکہ مساجد اس قسم کے کاموں کے لیے نہیں بنائی جاتیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

"من سمع رجلاً ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لا ردھا اللہ علیک فإن المساجد لم تبن لھذا"

"جس آدمی کو تم سنو کہ وہ مسجد میں گم شدہ شے کا اعلان کر رہا ہے تو تم کہو : اللہ تعالیٰ (تیری شے) واپس نہ کرے کیونکہ مساجد اس کے لیے نہیں بنائی گئی ہیں ۔" [17]

4 ۔ گم شدہ شے تلاش کرنے والا جب آئے اور ٹھیک ٹھیک علامات بیان کردے تو بغیر دلیل طلب کیے اور بغیر قسم لیے اس کو دے دو ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی بات کا حکم دیا ہے ۔ اور اس چیز کی صحیح علامت بیان کردینا گواہی (دلیل) اور قسم کے قائم مقام ہوجاتا ہے بلکہ بسا اوقات دلیل اور قسم کی نسبت صحیح علامات کی نشان دہی زیادہ واضح اور زیادہ سچی ہوتی ہے ۔ نیز اس (گری پڑی شے) کی متصل یا منفصل بڑھوتری بھی ساتھ ہی واپس کی جائے گی، ہاں! اگر اس شے کا طالب علامات بیان نہ کرسکے تو یہ شے اس کو نہ دی جائے کیونکہ یہ ایک امانت ہے اور امانت ایسے شخص کو دینا جائز نہیں جس کا مالک ثابت نہ ہو ۔

5۔ ایک سال اعلانات کے باوجود اس شے کا مالک نہ آئے تو وہ شے اٹھانے والے کی ملک ہوجائے گی لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ شے کو خرچ کرنے سے قبل اس کی علامات وغیرہ اچھی طرح محفوظ کرلے، اگر کہیں اس کا مالک آجائے اور مذکورہ صفات وعلامات بتادے تو وہ شے اس کو لوٹا دی جائے اگر بعینہ موجود ہو، اگر اس میں تصرف ہوچکا ہو تو اس کا بدل اسے دیا جائے کیونکہ اس کی ملکیت ایک نگہبان اور حفاظت کرنے والے کی طرح عارضی ملکیت تھی جو کہ اس کے مالک کے آجانے سے ختم ہوگئی۔

6۔ حرم (مکہ) میں گری ہوئی چیز کے بارے میں علمائے کرام میں اختلاف ہے کہ اسے اٹھانے والا ایک سال تک متعارف کروانے کے بعد مالک ہوگا یا نہیں؟ بعض علماء کا کہنا ہے کہ مدت مقرر (ایک سال) کے بعد شے کو اٹھانے اور متعارف کروانے والا مالک ہوگا کیونکہ دلائل میں عموم ہے، جبکہ فریق ثانی کا نقطہ نظریہ ہے کہ وہ مالک نہ ہوگا اور نہ اپنے تصرف میں لائے گا بلکہ ہمیشہ کے لیے اس کا اعلان کرتا رہے کیونکہ مکہ مکرمہ سے متعلق فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"لَا تَحِلُّ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ"

"اس کا لقطہ اٹھانا جائز نہیں مگر جو اسے متعارف کروانا چاہتا ہو۔" [18]

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اسی نقطہ نظر کو پسند کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "حرم کے لقطے کو اٹھانے والا کبھی بھی مالک نہیں ہوگا بلکہ اس پر ہمیشہ اعلان کرنا واجب ہے۔" [19] اور حدیث کا ظاہری مفہوم بھی یہی ہے۔

7۔ اگر کوئی شخص کسی ویران جگہ جانور کو اس لیے پیچھے چھوڑ گیا کہ وہ ریوڑ کے ساتھ چلنے کے قابل نہیں رہا یا مالک اسے اپنے ساتھ لے جانے میں کمزور ثابت ہوا تو ایسے جانور کو پکڑنے والا مالک بن جائے گا کیونکہ حدیث میں ہے:

"مَنْ وَجَدَ دَابَّةً قَدْ عَجَزَ عَنْهَا أَهْلُهَا أَنْ يَعْلِفُوهَا فَسَيَّبُوهَا، فَأَخَذَهَا فَأَحْيَاهَا فَهِيَ لَهُ"

"جس نے ایسا جانور پایا کہ جس کا مالک اسے چارہ دینے سے عاجز ہو اور وہ اسے پیچھے چھوڑ گیا ہو تو جس نے پکڑ لیا، چارہ دیا اور خدمت کی تو وہ اسی کا ہے۔" [20]

اس کی وجہ یہ ہے کہ مالک کو اس کی طلب اور اس میں رغبت نہیں رہی، لہذا اس کا حکم وہی ہوگا جو ردی چیزوں کا ہوتا ہے۔ جس شخص کا جوتا یا سامان اٹھا لیا گیا اور اسے اسی جگہ ویسا ہی جوتا یا کوئی اور سامان مل گیا تو وہ اسے اپنی شے کا بدل سمجھ کر خود کو مالک نہ سمجھے بلکہ وہ لقطہ ہے جو ایک سال تک متعارف کروائے گا۔ متعارف کروانے کے بعد اپنے حق کے مطابق اس کا مالک ہوگا اور باقی حصہ صدقہ کردے۔

8۔ اگر کسی بچے یا کم عقل کو کوئی گری پڑی شے مل گئی تو اس کا ولی ایک سال تک اس شے کا اعلان کرے اور اسے متعارف کروائے، نیز وہ شے اپنے قبضے میں لے لے کیونکہ وہ دونوں امانت قبول کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ اگر ولی نے ان سے وہ شے حاصل نہ کی حتیٰ کہ ضائع ہوگئی تو وہ ولی ضامن ہوگا کیونکہ وہ اسے ضائع کرنے والا ثابت ہوا۔ اگر مالک نہ آیا تو شے بچے یا کم عقل (جس نے اٹھائی ہے) کی ملکیت ہوجائے گی لیکن مالک کے آنے پر ادائیگی ضرور ہوگی جیسا کہ عاقل وبالغ کا فرض ہے۔

9۔ اگر کسی شخص نے گری پڑی شے اٹھا کر دوبارہ وہیں رکھ دی حتیٰ کہ وہاں پڑی پڑی ضائع ہوگئی تو یہ شخص ضامن ہوگا اس کے ہاتھ میں ایک امانت آئی تھی جس کی اسے دیگر امانتوں کی طرح حفاظت کرنی چاہیے تھی اس نے وہاں چھوڑ کر ضائع کردی، لہذا وہ ضامن ہوگا۔

تنبیہ :۔

دین اسلام نے لقطہ کے بارے میں ہمیں جو ہدایات دی ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ لوگوں کے اموال اور سامان کی حفاظت کرنے اور انھیں سنبھال کر رکھنے کی بڑی اہمیت ہے، نیز اسلام ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی وخیر خواہی کرنے اور ان کے ساتھ تعاون کرنے کی رغبت دلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اسلام پر قائم ودائم رکھے اور اسی پر موت دے۔ آمین

لَقِیط کا حکم

لقیط اور لُقطہ کے مسائل کا ایک دوسرے سے بڑا گہرا تعلق ہے کیونکہ "لقطہ" گرے پڑے مال ومتاع کو کہتے ہیں جبکہ "لقیط" گرے پڑے یا گم شدہ بچے کو کہا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے احکام انسانی زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہیں حتیٰ کہ اس میں یتیم بچوں اور بے سہارا لوگوں کے حقوق بھی موجود ہیں بلکہ اسلام کے سنہری اُصول اور انسانی حقوق آج کی مہذب دنیا کے معروف حقوق سے کئی درجے اعلیٰ اور فائق ہیں۔ اسی طرح اسلام نے لقیط کے بارے میں بھی لوگوں کی راہنمائی کے لیے اہم ہدایات دی ہیں۔

شرعی اعتبار سے :۔

جو بچہ کسی کو گرا پڑا یا گمشدہ حالت میں ملے اور اس کا نسب غیر معروف ہو اور کوئی اس کا مدعی بھی نہ بنے کہ یہ میرا ہے تو وہ "لقیط" ہے۔

لقیط کا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے کوئی شخص اسے حاصل کرکے اس کی تربیت وکفالت کرلے تو سب کی ذمے داری پوری ہوجائے گی، یعنی کوئی بھی گناہ گار نہ ہوگا۔ گویا یہ فرض کفایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ... سورۃ المائدۃ ٢

"نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو۔" [21]

آیت کے الفاظ اپنے عموم کے اعتبار سے لقیط بچے کو اٹھانے اور اس کی پرورش کرنے کے حکم کو بھی شامل ہیں کیونکہ یہ بھی نیکی و تقویٰ میں تعاون کی ایک صورت ہے، نیز کسی کو اٹھا کر اس کی زندگی بچانا اسی طرح فرض ہے جیسے بوقت ضرورت کسی کو کھانا کھلانا یا کسی کو ڈوبنے سے بچانا فرض ہے۔

(1)۔ لقیط بچہ تمام احکام شرعیہ میں آزاد متصور ہوگا کیونکہ آزادی اصل ہے اور غلامی ایک عارضہ ہے، جب کسی کی غلامی کا علم نہ ہوسکے تو اصل (آزادی) ہی کا اعتبار ہوگا۔

(2)۔ اگر بچے کے ساتھ یا اس کے قریب ہی مال بھی ملا ہو تو اٹھانے والا اسی بچے کا مال سمجھ کر معروف اور مناسب طریقے سے اس پر خرچ کرے گا کیونکہ وہ بچے کا ولی اور سرپرست ہے۔ اگر مال نہیں ہے تو بیت المال سے اخراجات پورے کیے جائیں گے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو (جس نے لقیط کو اٹھایا تھا) فرمایا:

"اذْهَبْ فَهُوَ حُرٌّ وَلَكَ، وَلَاؤُهُ وَعَلَيْنَا نَفَقَتُهُ"

"اسے لے جاؤ یہ بچہ آزاد ہے غلام نہیں۔ اس کی سرپرستی تمہارے ذمے اور اخراجات ہمارے ذمے ہیں۔" [22]

واضح رہے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد "بیت المال" تھی۔

ایک روایت میں ہے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "وعلینا رضاعه "اسے دودھ پلانے کی ذمے داری ہم (بیت المال) پر ہے۔"

اس روایت کی روشنی میں بچے کے اخراجات اسے اٹھانے والے شخص پر نہیں بلکہ یہ بیت المال کی ذمہ داری ہے۔ اگر بیت المال کا انتظام نہ ہو تو ان مسلمانوں پر اس کا خرچ ہے جو اس کے حالات سے واقف ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۲ ... سورة المائدة

"نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو۔" [23]

علاوہ ازیں اخراجات کے ترک میں بچے کی ہلاکت ہے۔ مزید برآں اس کے اخراجات اٹھانا اس کے ساتھ ہمدردی اور خیرخواہی ہے، جیسے مہمان کی مہمان نوازی۔

(3)۔ اگر بچہ مسلمانوں کے کسی ملک سے ملا ہے یا کافروں کے کسی ایسے ملک میں سے ملا ہے جہاں کی اکثریت مسلمان ہے تو بچہ دینی اعتبار سے مسلمان متصور ہوگا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"كل مولود يولد على الفطرة"

"ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔" [24]

اگر بچہ خالص کافر ملک سے ملا ہے یا اس ملک میں مسلمانوں کی تعداد کم ہے تو ملک کا اعتبار کرتے ہوئے بچہ کافر متصور ہوگا جبکہ اس کی پرورش اسے اٹھانے والے ہی کے ذمے ہوگی بشرطیکہ وہ شخص امین ہو کیونکہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لقیط بچے کی پرورش کی ذمے داری ابوجمیلہ نامی شخص پر ڈالی۔ جب معلوم ہوا کہ وہ نیک اور امین شخص ہے تو فرمایا: "تم ہی اس کے سرپرست ہو۔" اور اسے اٹھانے کی وجہ سے تم دوسروں کی نسبت پرورش کا حق زیادہ رکھتے ہو۔" [25]

(4)۔ اگر بچے کے ساتھ مال بھی ملا ہو تو اس کو اٹھانے والا (سرفہرست) وہی مال اس پر معروف طریقے سے خرچ کرے۔

(5)۔ اگر بچے کو اٹھانے والا پرورش کرنے کے لائق نہیں، مثلاً: وہ فاسق یا کافر و مشرک ہے جبکہ لقیط بچہ مسلمان ہے تو بچہ ایسے شخص کے حوالے نہ کیا جائے۔ اسلام کسی کافر یا فاسق کو ولی سرپرست مقرر کرنے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ ان سے بچے کے دین کو خطرہ ہے۔

(6)۔ اگر بچے کو اٹھانے والا خانہ بدوش ہے (جبکہ بچہ شہر سے ملا ہے) تو اس خانہ بدوش پر پرورش کی ذمے داری نہ ڈالی جائے۔ کیونکہ وہ مختلف جگہوں پر منتقل ہوتا رہتا ہے اور اس میں بچے کے لیے مشکلات ہیں۔ ایسے شخص سے بچہ لے کر کسی شہری کے حوالے کیا جائے کیونکہ خانہ بدوشی کی نسبت شہری زندگی بچے کے دین و دنیا کی بہتری کے اعتبار سے مناسب ترین ہے، نیز اس سے بچے کے خاندان اور ورثاء کی تلاش اور اس کے نسب کی معرفت میں بھی آسانی و سہولت ہے۔

(7)۔ لقیط اگر مرجائے تو بیت المال اس کا وارث ہے۔ اگر اس پر ایسی جنایت کی جائے جس سے دیت لازم ہو تو اس کی دیت بیت المال میں جمع ہوگی بشرطیکہ اس کا کوئی وارث نہ ہو اور اگر اس کی بیوی زندہ ہو تو اسے چوتھائی ترکہ ملے گا۔

اگر لقیط کو عمداً قتل کردیا گیا تو اس کی دیت بیت المال میں جمع ہونے کی وجہ سے تمام مسلمان اس کے وارث ہوں گے، البتہ حاکم اس کا ولی و وارث بن کر مسلمانوں کی نیابت کرے گا، لہذا اسے (حاکم کو) قصاص یا بیت المال کے لیے دیت میں سے کسی ایک کا اختیار ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

"فالسلطان ولي من لاولي له"

"جس کا کوئی ولی نہیں، امام (حاکم) اس کا ولی ہے۔"[26]

اگر اسے زخمی کر دیا گیا تو اس کی بلوغت اور سمجھ بوجھ کی عمر تک انتظار کیا جائے گا تاکہ وہ چاہے تو قصاص لے لے یا معاف کر دے۔

(8)۔ لقیط کے بارے میں اگر کوئی مرد یا عورت دعویٰ کرے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس صورت میں اگر اس کا بیٹا ہونا ممکن ہو تو اس کا دعویٰ تسلیم کر لیا جائے گا کیونکہ بچے کے نسب کے اتصال میں بچے کا فائدہ ہے اور کسی دوسرے کا نقصان بھی نہیں۔ اور اگر بہت سے لوگ دعویٰ کرتے ہیں تو ان میں سے جو شخص دلیل پیش کرے گا وہ مقدم اور راجح ہوگا۔

اگر کسی کے پاس واضح دلیل نہ ہو اور متعدد دعوے داروں کے دلائل میں تعارض ہو تو فیصلہ کسی قیافہ شناس سے کرایا جائے گا جو انصاف پسند، سمجھ دار اور تجربہ کار ہو۔ اور قیافہ شناس جس کے ساتھ نسب ملا دے اسی کے لیے فیصلہ کر دیا جائے گا کیونکہ ایک مرتبہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین کی موجودگی میں ایک قیافہ شناس کے فیصلے کی بنیاد پر فیصلہ کیا تھا۔[27] واللہ اعلم۔

وقف کا حکم

کسی چیز (اصل) کو (بیع، وراثت اور ہبہ سے مستثنیٰ قرار دے کر) محفوظ کر لینا اور اس کی آمدنی اور فائدہ کسی خاص مد کے لیے فی سبیل اللہ متعین کرنا وقف کہلاتا ہے۔

واضح رہے اصل چیز سے مراد ایسی شے ہے جس سے استفادہ ممکن ہو اور استفادے کے بعد بھی وہ شے باقی رہے، مثلاً مکان، دکان اور باغ وغیرہ۔ اور نفع سے مراد اس چیز کی آمدنی اور فائدہ ہے، مثلاً: پھل، کرایہ، گھر کی رہائش وغیرہ۔

اسلام میں وقف کرنا مستحب ہے اور اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ جس کی دلیل سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ "سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیبر میں زمین ملی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشورے کے لیے حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے خیبر میں جو زمین ملی ہے، اس سے بہتر اور نفیس مال میرے ہاں اور کوئی نہیں۔ اس کے بارے میں میرے لیے آپ کا کیا مشورہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا"

"اگر تم چاہو تو اپنا اصل مال وقف کر دو اور اس (کے نفع) کو صدقہ کر دو۔"[28]

چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اس طرح صدقہ کیا کہ اس کا اصل بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ میراث بنایا جائے۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ"

"جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین چیزیں جاری رہتی ہیں: صدقہ جاریہ، علم جس سے فائدہ حاصل کیا جا رہا ہے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔"[29]

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین میں سے اگر کوئی صاحب استطاعت ہوتا تو وہ ضرور کچھ نہ کچھ وقف کرتا۔"[30]

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مساجد اور پلوں کو وقف قرار دینے میں علماء کے درمیان قطعاً اختلاف نہیں، البتہ دوسری چیزوں میں اختلاف ہے۔"[31]

(1)۔ وقف کی شرائط میں سے ہے کہ وقف کرنے والا وقف کرنے کا اہل اور صاحب اختیار ہو، یعنی عاقل وبالغ اور آزاد ہو، لہٰذا نادان بچے اور غلام کا کوئی شے وقف کرنا صحیح نہیں۔

(2)۔ وقف کا انعقاد دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے ساتھ ممکن ہے:

1۔ الفاظ کے ساتھ وقف ہو مثلاً: کوئی کہے: "میں نے یہ مکان وقف کیا۔" یا "میں نے اس جگہ کو مسجد بنا دیا ہے۔"

2۔ وقف کرنے والا کوئی ایسا کام یا انداز اختیار کرے جو عرف میں وقف پر دلالت کرتا ہو، مثلاً: کوئی اپنے گھر کو مسجد قرار دے دے اور لوگوں کو وہاں نماز ادا کرنے کی عام اجازت دے یا کوئی شخص اپنی زمین کو قبرستان بنا دے اور وہاں عام لوگوں کے مردے دفن کرنے کی اجازت دے دے۔

(3)۔ جو الفاظ "وقف" پر دلالت کرتے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں:

1۔ صریح الفاظ کے ساتھ ہو، یعنی "وقف" کا لفظ استعمال کیا جائے یا ایسا لفظ جس کا مفہوم وقف کے علاوہ اور کوئی نہ ہو، لہٰذا جب کوئی کسی شے پر ایسے الفاظ استعمال کرے گا تو بلا تاویل شے کو وقف ہی سمجھا جائے گا۔

2۔ کنائے کے الفاظ کا استعمال ہو، مثلاً: کسی شے کے بارے میں صدقہ اور حرمت وغیرہ کے الفاظ کہے۔ ان الفاظ کو کنایہ اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں وقف اور غیر وقف دونوں کا احتمال ہے، لہٰذا اس میں انسان کی نیت فیصلہ کن ہوگی یا کنائے کے الفاظ کے ساتھ کوئی ایک صریح لفظ یا ایسا کنائے کا لفظ بولا جائے جس سے وقف کی طرف اشارہ ہو جائے۔ کنائے کے ساتھ صریح الفاظ کی مثال یہ ہے، کوئی کہے: "میں نے فلاں شے وقف کرتے ہوئے صدقہ کی یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے صدقہ کی وغیرہ۔" اور کنائے کے الفاظ کے ساتھ کنائے کا ایسا لفظ بولنا جس سے وقف سمجھ آتا ہو تو اس کی مثال یوں ہوگی: "میں یہ یہ چیز صدقہ کی، اسے بیچا جائے گا نہ وراثت میں منتقل ہوگی۔"

(4)۔ وقف کی درستی کےلیے درج ذیل شرائط ہیں :

1۔ واقف (وقف کرنے والا) شے کے تصرف میں بااختیار ہو جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

2۔ موقوف (وقف شدہ) شے ایسی ہو کہ فائدہ حاصل کرنے کے بعد بھی باقی رہے، مثلاً : مکان یا اراضی وغیرہ۔ اور جو شے استعمال کرنے سے ختم ہو جائے، مثلاً : کھانے پینے کی شے تو ایسی چیز وقف نہیں ہوتی۔ (اور نہ اسے وقف کہا جاتا ہے۔ ایسی شے کے خیرات کرنے کو صدقہ کہتے ہیں۔)

3۔ وقف کا مصرف جائز ہو کیونکہ وقف سے مقصود تقرب الی اللہ ہے، مثلاً : مساجد، پل، مساکین، پانی کی سبیلیں، علمی کتب یا کسی رشتے دار کےلیے شے وقف کرنا۔ ناجائز مصرف کےلیے وقف درست نہیں، مثلاً : کفار کی عبادت گاہ کےلیے جگہ دینا، دین اسلام کے مخالف لٹریچر کےلیے وقف کرنا، مزاروں پر روشنی یا خوشبو کےلیے یا ان کے مجاوروں کےلیے کوئی چیز وقف کرنا کیونکہ اس سے گناہ، شرک اور کفر کو تقویت ملتی ہے۔

5۔ موقوف علیہ (جس کو وقف کی شے دی جا رہی ہے) اگر وہ معین فرد ہو تو ایسا ہو جو مالک بننے کا اہل ہو کیونکہ وقف تملیک ہے اور جو شخص مالک نہیں بن سکتا اس پر وقف درست نہیں، مثلاً : میت یا حیوان وغیرہ۔

6۔ وقف کی درستی کےلیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ غیر محدود مدت کےلیے ہو، لہذا ایسا وقف جس کا وقت مقرر ہو یا وہ مشروط ہو، درست نہیں، البتہ اگر کوئی شخص اپنی موت کی شرط لگا دے تو وقف درست ہے، مثلاً : کوئی کہے : "جب میں فوت ہو جاؤں تو میرا گھر فقراء کےلیے وقف ہو گا۔"

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی "ثمغ" (نامی) زمین سے متعلق وصیت کی تھی کہ وہ ان کی موت کے بعد صدقہ ہے۔[32] اس پر کسی نے اعتراض نہ کیا۔ بنا بریں اس کا جواز اجماع صحابہ رضوان اللہ عنھم اجمعین سے ثابت ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ موت سے مشروط وقف تہائی مال سے زائد نہ ہو کیونکہ یہ عمل وصیت کے حکم میں ہے۔

(5)۔ وقف کے احکام میں سے یہ بھی ہے کہ واقف (وقف کرنے والے) کی شرط پر عمل کیا جائے بشرطیکہ وہ حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار نہ دے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

"وَالْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ، إِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا، أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا"

"مسلمان باہم طے شدہ شرائط کی پاسداری کریں مگر ایسی شرط جو حلال کو حرام کر دے یا حرام کو حلال کر دے۔"[33]

علاوہ ازیں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی وقف میں شرط لگائی تھی۔

اگر جائز شرط کا لحاظ ضروری نہ ہو تو شرط لگانے کا کوئی فائدہ ہی نہیں، لہذا اگر واقف خاص مقدار کی شرط لگائے یا کسی مستحق کو دوسرے سے زیادہ دینے کی شرط عائد کرے یا کسی مستحق کے بارے میں خاص وصف کا اعتبار کرتے ہوئے شرط لگائے، مثلاً : ایک شے طلباء پر وقف کرتے ہوئے شرط لگائے کہ جو صحیح البخاری پڑھنے والا طالب علم ہو گا یہ شے اس کےلیے وقف ہے یا یہ شے اسکےلیے وقف ہے جو ڈاڑھی نہ منڈوائے یا اس کےلیے وقف ہے جو اس شے کی نگرانی کرے وغیرہ تو اس قسم کی شرائط کی پاسداری ضروری ہے۔

الغرض اگر کوئی شرط کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو تو اس کا لحاظ واعتبار ضرور کیا جائے گا۔ اگر وقف کرنے میں کوئی شرط عائد نہ کی گئی تو اس کے استحقاق واستعمال میں امیر وغریب، مرد وعورت سب برابر ہیں۔

(6)۔ اگر وقف شدہ چیز کا کوئی نگران مقرر نہ کیا گیا ہو یا مقرر تو کیا گیا لیکن وہ فوت ہو گیا تو موقوف علیہ شخص خود اس کی نگرانی کرے، بشرطیکہ وہ معین ہو۔ اگر موقوف علیہ کوئی نوع، یعنی ایک قسم کی مختلف چیزیں ہوں، مثلاً : مساجد یا جن کو شمار کرنا ممکن نہ ہو، جیسے مساکین، تب حاکم نگران ہو گا۔ وہ خود حفاظت کرے یا اس کی حفاظت پر کسی کو اپنا نائب مقرر کر دے۔

(7)۔ وقف شدہ شے نگران کے پاس ایک امانت ہے، لہذا اس کی نگرانی اللہ سے ڈرتے ہوئے کرے۔

(8)۔ اولاد کےلیے وقف صحیح ہے، مثلاً : اگر کوئی یوں کہے : "میں اپنی اولاد کےلیے وقف کرتا ہوں" تو اس میں بیٹے اور بیٹیاں سب برابری کی بنیاد پر شامل ہوں گے۔ اور کسی کی شراکت کو مطلق رکھنے سے استحقاق سب کےلیے برابر ہوتا ہے، مثلاً : اگر وہ ان کےلیے کسی شے کا اقرار کر دے تو سب اس میں برابر شریک ہوں گے۔ ایسے ہی اگر کوئی شے وقف کر دے تو وہ بھی سب کےلیے ہو گی، پھر صلبی اولاد کے بعد وقف بیٹوں کی اولاد کی طرف منتقل ہو گی جب کہ بیٹیوں کی اولاد شامل نہ ہو گی کیونکہ وہ دوسرے شخص کی اولاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ١١ ... سورة النساء

"اللہ تمھیں اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے۔"[34]

میں بیٹیوں کی اولاد شامل نہیں۔ بعض علماء کرام کی یہ رائے ہے کہ بیٹیوں کی اولاد "الاولاد" میں داخل ہے کیونکہ بیٹیاں اولاد ہیں تو بیٹیوں کی اولاد بھی اولاد کی اولاد میں شامل ہے۔ واللہ اعلم۔

اگر کوئی یوں کہے : "میں اپنے بیٹوں کےلیے یا فلاں کے بیٹوں کےلیے وقف کرتا ہوں۔" تو صرف لڑکے مراد ہوں گے، لڑکیاں نہیں کیونکہ لفظ بَنِين (لڑکے) یہ مذکر ہی کےلیے بنایا گیا ہے، جیسا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ٣٩ ... سورة الطور

"کیا اس (اللہ) کےلیے تو بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے ہیں؟"[35]

البتہ اگر موقوف علیہ کوئی قبیلہ ہو، مثلاً: "یہ شے بنوہاشم یا بنو تمیم کے لیے وقف ہے۔"تو اس میں قبیلے کے مرد اور عورتیں سب مراد ہوں گے کیونکہ "قبیلے کا نام"کا اطلاق مرد اور عورتوں سب پر ہوتا ہے۔

اگر وقف ایسی جماعت کے لیے ہے جن کا حصر و شمار ممکن ہو تو اس کے استحقاق استعمال میں سب برابر ہوں گے اور اگر حصر ممکن نہ ہو، مثلاً: بنوہاشم، بنو تمیم تو تعمیم واجب نہیں اور بعض افراد پر اکتفا کرنا یا ان میں سے بعض کو دوسروں پر ترجیح دینا جائز ہوگا۔

(9)۔محض کہہ دینے سے وقف ثابت ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد اسے فسخ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"وَلَا يُبَاعُ وَلَا يُورَثُ وَلَا يُوهَبُ"

"مال وقف نہ فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ ہبہ و میراث بن سکتا ہے۔"[36]

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اہل علم کی اکثریت کا اسی حدیث پر عمل ہے۔"[37]

(10)۔وقف کا فسخ جائز نہیں کیونکہ وہ ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے۔ اسی طرح اسے فروخت یا کسی اور کو منتقل نہیں کیا جاسکتا، البتہ اگر جگہ کے ویران ہونے کی وجہ سے وقف سے فائدہ حاصل کرنا ممکن نہ رہے، مثلاً: وقف شدہ گھر گر گیا اور وقف کی آمدنی سے اس کی تعمیر ممکن نہیں یا زرعی زمین تھی جو ویران و بنجر ہوگئی اور وقف آمدنی سے اس کی تعمیر و آبادی ممکن نہ ہو تو اس حال میں وقف کو فروخت کیا جائے گا اور اس کی قیمت اس کے مثل میں لگائی جائے گی کیونکہ یہ صورت وقف کرنے والے کے مقصد کے قریب ترین ہے۔ اگر اسی طرح کی شے ممکن نہ ہوسکے تو اس کے قریب قریب ہی ہوجانی چاہیے اور متبادل شے خریدنے کے ساتھ ہی وقف ہوجائے گی۔

(11)۔اگر کوئی مسجد وقف تھی لیکن اس جگہ میں مسجد مفید اور کارآمد نہ رہی، یعنی وہاں کی آبادی ویران ہوگئی تو اسے فروخت کرکے اس کی قیمت سے دوسری جگہ مسجد بنادی جائے یا وہ رقم دوسری مسجد پر خرچ کی جائے۔ اگر کسی مسجد کے لیے کوئی شے وقف ہو تو جب اس وقف شدہ شے کی آمدن مسجد کی ضروریات سے زائد ہے تو زائد آمدن کسی دوسری مسجد پر صرف کردی جائے کیونکہ وقف کا مقصد یہی تھا۔ مسجد پر وقف شے اگر غلہ و اناج ہے تو مسجد کی ضروریات سے زائد فقراء مساکین پر صرف کیا جاسکتا ہے۔

(12)۔جب موقوف علیہ معین فرد ہو، مثلاً: کوئی کہے: "یہ زمین زید کے لیے وقف ہے، اسے ہر سال سو من گندم دی جائے۔"تو اگر اس کی پیداوار اس مقرر حد سے زائد ہو تو زائد کو سنبھال کر رکھنا ضروری ہے۔

شیخ تقی الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اگر معلوم ہو کہ اس کی پیداوار ہمیشہ مقررہ مقدار سے زیادہ ہوتی ہے تو اس زائد پیداوار کو فی سبیل اللہ خرچ کردیا جائے کیونکہ اس کو بچا کر رکھنے سے اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔"

(13)۔اگر کوئی شے کسی ایسی مسجد کے لیے وقف کی گئی جو ویران ہوگئی اور وقف شدہ شے کو وہاں خرچ کرنے کا کوئی فائدہ نہ رہا تو اس مال کو اس جیسی دوسری مسجد پر صرف کردیا جائے۔

---

[1]۔جامع الترمذی الاحکام باب ماذکر فی احیاء ارض الموات حدیث 1379 ومسند احمد 3/381۔

[2]۔سنن ابی داود الخراج باب فی احیاء الموات حدیث 3077 ومسند احمد 3/381۔

[3]۔سنن ابی داود الخراج والفئ والامارۃ باب فی اقطاع الارضین حدیث 3061۔

[4]۔سنن ابی داود الخراج والفئ والامارۃ باب فی اقطاع الارضین حدیث 3058۔3059۔

[5]۔صحیح البخاری المساقاۃ باب سکور الانہار حدیث 2360،2359۔وصحیح مسلم الفضائل باب وجوب اتباعہ حدیث 2357۔

[6]۔سنن ابی داود القضاء باب فی القضاء حدیث 3639 والموطا للامام مالک، الاقضیۃ باب القضاء فی المیاہ، حدیث 1491۔

[7]۔مسند احمد: 2/155۔

[8]۔یوسف 12/72۔

[9]۔صحیح البخاری الاجارۃ باب مایعطی فی الرقیۃ علی احیاء العرب بفاتحۃ الکتاب حدیث 2276۔وصحیح مسلم السلام باب جواز اخذ الاجرۃ علی الرقیۃ بالقرآن والاذکار حدیث 2201۔

[10]۔مجموع الفتاویٰ 30/415۔

[11]۔اعلام الموقعین 2/379۔

[12]۔(ضعیف) سنن ابی داود اللقطۃ باب التعریف باللقطۃ حدیث 1717۔

[13]۔صحیح البخاری العلم باب الغضب فی الموعظۃ والتعلیم اذا رای مایکرہ حدیث 91، وصحیح مسلم اللقطۃ باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل حدیث 1722 واللفظ لہ۔

[14]۔السنن الکبریٰ للبیہقی 6/191۔

[15]۔ صحیح البخاری القطۃ باب ضالۃ الغنم حدیث 2428۔ و صحیح مسلم القطۃ باب معرفۃ العفاص والوکاء و حکم ضالۃ الغنم والابل حدیث 1722 واللفظ لہ۔

[16]۔ صحیح البخاری العلم باب الغضب فی الموعظۃ والتعلیم اذارای مایکرہ حدیث 91، و صحیح مسلم القطۃ باب معرفۃ العفاص والوکاء و حکم ضالۃ والابل حدیث 1722۔

[17]۔ صحیح مسلم المساجد باب النھی عن نشد الضالۃ فی المسجد۔۔۔، حدیث: 568۔

[18]۔ صحیح البخاری القطۃ باب کیف تعرف لقطۃ اھل مکۃ؟ حدیث 2433۔

[19]۔ الفتاویٰ الکبریٰ باب الودیعۃ: 5/423۔

[20]۔ سنن ابی داود البیوع باب فیمن احیا حسیرا حدیث 3524۔

[21]۔ المائدۃ 5/2۔

[22]۔ الموطا للامام مالک، الاقضیۃ باب القضاء فی المنبود حدیث 1482۔

[23]۔ المائدۃ 5/2۔

[24]۔ صحیح البخاری الجنائز باب ماقیل فی اولاد المشرکین؟ حدیث 1385۔ اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ بچہ کسی بھی جگہ سے ملے وہ ہر صورت مسلمان ہی متصور ہوگا۔ (صارم)

[25]۔ السنن الکبریٰ للبیہقی 6/202 اللقطۃ باب التقاط المنبود۔۔۔ وارواء الغلیل 6/1573۔

[26]۔ سنن ابی داود النکاح باب فی الولی حدیث 2083۔

[27]۔ ایک قیافہ شناس کی زبان سے جب یہ بات نکلی کہ زید بن حارثہ اور اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں باپ بیٹا ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن کر بہت خوش ہوئے تھے۔ دیکھئے صحیح بخاری حدیث 3555۔ (صارم)۔

[28]۔ صحیح البخاری الشروط باب الشروط فی الوقف حدیث 2737 و صحیح مسلم الوصیۃ باب الوقف حدیث 1632۔

[29]۔ صحیح مسلم الوصیۃ باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ؟ حدیث 1631۔

[30]۔ منار السبیل ص 397۔

[31]۔ تفسیر القرطبی 19/22۔ الجن 72/18۔

[32]۔ رواہ ابوداود فی سنتہ بمعناہ حدیث 2879 والقصۃ فی صحیح البخاری ایضاً حدیث 2764۔ ان حدیثوں میں یہ وضاحت ہے کہ یہ مال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وقف کیا تھا، البتہ بعد تولیت کے بارے میں حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حق میں وصیت کی تھی (ع۔و)۔

[33]۔ جامع الترمذی الاحکام باب ماذکر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلح بین الناس حدیث 1352۔ دیکھئے صحیح البخاری الوصایا باب وماللوصی ان یعمل فی مال الیتیم۔۔۔، حدیث 2764 وسنن ابی داود الوصایا باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف حدیث 2879۔

[34]۔ النساء: 4/11۔

[35]۔ الطور: 52:39۔

[36]۔ صحیح البخاری الوصایا باب الوقف کیف یکتب؟ حدیث 2772۔

[37]۔ جامع الترمذی الاحکام باب ماجاء فی الوقف تحت حدیث 1375۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہی احکام ومسائل

غیر آباد زمین کو آباد کرنے کے احکام: جلد 02: صفحہ 141